حضرت مولانا محمد طاسین مدظلہ
صدر مجلس علمی کراچی

مروّجہ استحصالی ظالمانہ معاشی نظام کا خاتمہ
اور
اس کی جگہ اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کا قیام اور استحکام

ایک نہایت اہم لیکن مشکل ترین مسئلہ اور اس کے حل کا طریق کار!

ذیل کا مقالہ امریکی نیو ورلڈ آرڈر، مروّجہ نظام ہائے عالم، اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں اہل اسلام کے لیے فکری، علمی اور عملی اعتبار سے کرنے کے اصل کام کی طرف ترغیب اور عالمی سطح پر ایک عظیم چیلنج کا مقابلہ کرنے کی انگیخت ہے مضمون میں بعض جگہ حضرت مولانا محمد طاسین مدظلہ کی طرزِ تعبیر، لائحہ عمل کے بعض فکری خطوط اور کام کرنے کے اہداف میں ترجیحات سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے مگر نفسِ مسئلہ کی اہمیت اور اجتماعی طور پر کام کرنے کی فوری ضرورت سے انکار، ایک حقیقت کا انکار ہوگا "الحق" اپنی رائے محفوظ رکھتے ہوئے فوری ضرورت کے اس اہم مسئلہ پر قارئین کو مثبت، سنجیدہ اور متین فکری سوچ پر مبنی علمی اور تحقیقی کام کی دعوت دیتا ہے ہر ایسی معیاری تحریر کے لیے الحق کے صفحات حاضر ہیں جو فکری اور علمی معیار کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر عملی اقدام کی انگیخت کا ذریعہ ہوں۔

(ادارہ)

ایک نہایت ہی اہم لیکن ساتھ ہی مشکل ترین مسئلہ جو آج پاکستان جیسے مسلم ممالک کو ہر جگہ درپیش اور اپنے حل کا شدید تقاضا کر رہا ہے وہ یہ کہ ان کے ہاں فی الوقت معاشی ظلم و استحصال پر مبنی جو سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام، قائم اور رائج ہے اس کو کس طرح ختم کیا اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام کس طریقہ سے عمل میں لایا جائے؟

یہ مسئلہ ایسے مسلمان زعماء و مصلحین کے لیے سخت بے چینی اور شدید پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے جو اپنے نام نہاد اسلامی معاشروں کو حقیقی اور صحیح معنوں میں اسلامی معاشرے بنانے کی اپنے اندر سچی تمنا و تڑپ رکھتے اور بالیقین یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک مسئلہ مذکور حل نہیں ہو جاتا کوئی معاشرہ حقیقی طور پر اسلامی معاشرہ نہیں بن سکتا لہٰذا وہ پوری توجہ کے ساتھ اس مسئلہ کا اطمینان بخش حل تجویز اور تلاش کرنے میں سرگرماں اور مصروف ہیں۔ میری یہ تحریر بھی اسی مقصد اور اسی مسئلہ سے متعلق ہے۔

جن وجوہ کی بنا پر مسئلہ مذکور نہایت اہم ہے ان میں سے ایک خاص اور نمایاں وجہ یہ کہ بدنصیبی سے آج ہمارے نام نہاد مسلم معاشروں میں بڑی کثرت کے ساتھ جو گوناگوں انفرادی اور اجتماعی برائیاں اور طرح طرح کی جو سماجی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی خرابیاں اور بدعنوانیاں ہیں غور سے دیکھا جائے تو اُن کے اسباب میں سے بڑا سبب وہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام ہے جو ان معاشروں میں موجود اور بروئے کار ہے کیونکہ اس نظام کی یہ فطرت اور ذاتی خاصیت ہے کہ وہ افراد معاشرہ کو معاشی طور پر اعلیٰ اور ادنیٰ دو بالکل مختلف طبقوں میں منقسم کرتا اور بھیانک قسم کے غیر فطری معاشی عدم توازن کا باعث بنتا ہے ایک طرف بہت تھوڑی تعداد میں گویا پانچ فیصد سے بھی کم ایسے افراد ہوتے ہیں جن کے قبضہ میں قومی دولت اور وسائل دولت کا بہت بڑا حصہ ہوتا، بڑے بڑے قطعات اراضی، عالیشان عمارات، کارخانوں، فیکٹریوں، تجارتی مراکز اور کاروباری اداروں کے مالک کہلاتے اور نہائت شان و شوکت، عیش و عشرت اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے اعلیٰ معیار کی زندگی گذارتے اور اپنی مالداری و دولت مندی کا فاخرانہ انداز سے اظہار کر کے دوسروں پر اپنی برتری جتلانے اور رعب جماتے ہیں، اور دوسری طرف پچانوے فیصد سے بھی زائد افراد کی معاشی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اُن کو یا تو سادہ سے سادہ شکل اور معمولی سے معمولی معیار میں باقاعدگی کے ساتھ بنیادی معاشی ضروریات تک میسر نہیں ہوتیں نہ پیٹ بھر کر دو وقت معمولی کھانا ملتا، نہ تن ڈھانپنے کے لیے مناسب لباس، نہ رہنے سہنے کے لیے سادہ سا گھر میسر ہوتا، اور نہ علاج و تعلیم کی کوئی سہولت نصیب ہوتی ہے لہٰذا یہ معاشی لحاظ سے ہمیشہ بدحال و پریشان رہتے ہیں، اور یا پھر اگر اُن میں سے کچھ افراد کو بنیادی معاشی ضروریات کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ میسر ہوتی ہیں یعنی ان کی اتنی آمدنی ہوتی ہے جس سے روزمرّہ کی ضروریات تو کسی طرح پوری ہو جاتی ہیں لیکن کل کے لیے کچھ بچتا بچاتا نہیں، گویا ضرورت سے زیادہ رزق و مال کمانے کے راستے اُن پر مسدود ہوتے ہیں وہ خواہ کتنی ہی کوشش اور جدوجہد کریں ضرورت سے زیادہ کچھ حاصل نہیں کر سکتے لہٰذا ہنگامی اور ناگہانی ضروریات کے وقت ان کو معاشی پریشانی کا ضرور سامنا کرنا پڑتا ہے، دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو کھیتوں، کارخانوں منڈیوں، بازاروں، دکانوں اور دفتروں میں کام محنت کرتے اور قومی

معیشت کی گاڑی چلاتے ہیں لیکن اُن کو اُن کی سعی و محنت کا پھل بہت کم ملتا ہے اُس کا بڑا حصہ زمیندار، کارخانہ دار، ساہوکار، کمپنیوں کے ڈائرکٹر اور سربراہ ہتھیا لیتے ہیں جو ذرائع پیداوار اور سرمائے کے مالک ہوتے ہیں بہرحال یہ حقیقت واقعہ اور عام مشاہدہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے اندر قومی دولت و ثروت چند ہاتھوں میں سمٹنی اور افراد کے درمیان غیر فطری قسم کا معاشی نشیب و فراز ظہور میں آتا ہے ایک طرف انتہائی امیر و خوشحال اور دوسری طرف انتہائی غریب و خستہ حال لوگ وجود میں آتے ہیں اور اس غیر فطری معاشی عدم توازن سے معاشرے میں مختلف قسم کی انفرادی اور اجتماعی برائیوں کا ظہور میں آنا ایک قدرتی امر ہے جن سے اسلام اپنے مجوزہ صالح معاشرے کو پاک صاف رکھنا چاہتا ہے کیونکہ اُن کے ذریعے عام بدامنی و بے چینی پیدا ہوتی اور اجتماعی فلاح و بہبود پر منفی اثر پڑتا ہے۔

غرض یہ کہ کسی معاشرے کے صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر ظلم و استحصال پر مبنی جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج و موجود ہے وہ ختم اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قائم و رائج ہو لہٰذا اس سے اُس اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو مسئلہ مذکور کو حاصل ہے۔

ایک دوسری وجہ جس سے مسئلہ مذکور کی غیر معمولی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ کہ عہد حاضر کو معاشیات کا عہد بھی کہا جاتا ہے مطلب یہ کہ عہد حاضر میں زندگی کے معاشی مسئلے کی اہمیت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ گویا یہ مرکزی اور بنیادی مسئلہ ہے باقی سب مسائل اس کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں آج کا انسان سب سے پہلے اپنے معاشی مسئلے کا اطمینان بخش حل چاہتا ہے جتنی دلچسپی اس کو معاشی مسئلے سے ہے اتنی دوسرے کسی مسئلہ سے نہیں، معاشی مسئلے کی اہمیت اس کے نزدیک اس قدر بڑھ چکی ہے کہ آج کسی نظام حیات کے اچھے بُرے اور قابل قبول اور قابل ردّ ہونے کا معیار یہ بن کر رہ گیا ہے کہ معاشی مسئلے کا حل وہ کیا پیش کرتا ہے اگر اس کا پیش کردہ حل بہتر اور اطمینان بخش ہے تو وہ نظام حیات قابل قبول ہے خواہ دوسرے پہلوؤں سے اس کے اندر کتنی ہی خامیاں اور برائیاں کیوں نہ پائی جاتی ہو، اس کے برعکس جس نظام حیات کا پیش کردہ معاشی لائحہ عمل اچھا اور اطمینان بخش نہیں وہ اچھا اور قابل قبول نہیں بلکہ قابل ردّ ہے اگرچہ دوسرے پہلوؤں سے اُس کے اندر کتنی ہی خوبیاں اور اچھائیاں کیوں نہ موجود ہوں، اور یہ کہ معاشی مسئلے کا سب سے بہتر اور مثالی حل وہ ہو سکتا ہے جس سے معاشرے کے سو فیصد افراد کو معاشی خوشحالی بھی حاصل ہوتی اور معاشی ترقی کا بھی موقع ملتا ہو۔ اور چونکہ اسلام کے معاشی نظام کے اندر یہ خوبی اور صلاحیت پوری طرح موجود ہے کہ جو معاشرہ اس پر عمل کرے اُس کے ہر ہر فرد کو معاشی خوشحالی بھی نصیب ہو سکتی اور معاشی ترقی کا بھی مناسب موقع مل سکتا ہے لہٰذا عہد حاضر میں اس کو کسی مسلم معاشرے کے اندر عملی طور پر پیش کرنا اور بروئے کار لانا، دنیا میں اسلامی نظام حیات کی مقبولیت اور حقانیت کا بہترین

ذریعہ اور مؤثر وسیلہ ثابت ہو سکتا ہے، اور چونکہ مسئلہ مذکور کا اس سے گہرا تعلق ہے لہٰذا اس سے بھی اس کی اہمیت پر روشنی پڑتی اور اس کا اہم ہونا ثابت اور واضح ہوتا ہے، مسئلہ مذکور کے اہم ہونے کی کچھ اور وجوہ بھی ہیں لیکن میں بغرض اختصار صرف مذکورہ دو وجوہ کے بیان پر اکتفار کرتا ہوں جن سے اس کی غیر معمولی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مسئلہ مذکور کے مشکل ترین مسئلہ ہونے کی جو وجوہات ہیں اُن میں سے پہلی وجہ یہ کہ فی الوقت مثلاً ہمارے ملک پاکستان میں سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام قائم و رائج ہے چونکہ طویل عرصہ سے ہے لہٰذا اس کی جڑیں خاصی گہری اور مضبوط ہیں عام لوگوں کے لیے جانا پہچانا اور مانوس نظام ہے نیز اس کے ساتھ معاشرے کے جس طبقہ کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مفادات وابستہ ہیں وہ طبقہ اثر و رسوخ اور قوت و اقتدار کے لحاظ سے معاشرے میں اعلیٰ اور ممتاز حیثیت و مرتبہ رکھتا ہے حکومت اور اس کے مختلف اداروں میں اس طبقہ کی مؤثر نمائندگی اور اس کی پوزیشن نہایت مستحکم ہے اجتماعی امور و معاملات صرف اس طبقہ کی مرضی سے طے پاتے اور چلتے ہیں معاشرے کے باقی افراد اس طبقہ کے طے کردہ فیصلوں کو ماننے اور ان کی پابندی پر مجبور ہوتے ہیں خواہ دل سے کتنے ہی ناراض و ناخوش کیوں نہ ہوں چونکہ اس طبقہ کی معاشرے میں ہر لحاظ سے جو بالاتر اور ممتاز حیثیت و مرتبت ہے وہ مروجہ معاشی نظام کی وجہ سے ہے لہٰذا وہ اپنے مختلف مفادات اور اپنی ممتاز اور بالاتر حیثیت کے تحفظ کی خاطر ضروری سمجھتا ہے کہ موجودہ معاشی نظام اپنی حالت پر قائم و برقرار رہے اور اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ آنے پائے جس سے اس کے مفادات کو نقصان پہنچتا اور اس کی حیثیت متاثر و مجروح ہوتی یا ہو سکتی ہو خواہ وہ تبدیلی دین اسلام کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس طبقہ کے اکثر لوگ دین اسلام سے صرف اس حد تک دلچسپی رکھتے اور اس کو مانتے ہیں جس حد تک ان کے مفادات کو نقصان نہ پہنچتا ہو، بہرحال سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا یہ طبقہ موجودہ معاشی نظام کو ہر صورت میں قائم رکھنا چاہتا اور ہر طریقہ سے اس کا تحفظ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے، جو لوگ اس نظام کو بدلنے کی بات کرتے اُن کو یہ طبقہ اپنا بدترین دشمن قرار دیتا اور اُن کے خلاف تمام ایسے حربے استعمال کرنا ضروری گردانتا ہے جن سے ان کی زبان بند اور ان کی عملی کوشش اور جدوجہد ختم ہو سکتی ہو۔ اس سلسلہ میں وہ نرمی و سختی اور ترغیب و ترہیب دونوں سے کام لیتا اور تبدیلی چاہنے والوں کو ان کی راہ سے ہٹاتا ہے، معاشی نظام میں تبدیلی چاہنے والے بلحاظ تعداد عظیم اکثریت میں ہونے کے باوجود مالی وسائل کی کمی اور باہمی تنظیم کی غیر موجودگی کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتے اس لیے بھی کہ حکومت وقت مخالف طبقہ کے افراد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اُن کے خلاف ہوتی ہے اگر وہ جوش جذبے میں کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو انتظامیہ تشدّد کے ذریعے اُن کو روکتی اور کچل دیتی ہے۔ اس سلسلہ میں اُن کی طرف سے جو پرامن مطالبات کیے جاتے ہیں مختلف طریقوں سے ٹال دیئے جاتے اور بلحاظ نتیجہ فضول

ثابت ہوتے ہیں یعنی کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوتا جس سے حالات میں کوئی خوشگوار تبدیلی نظر آئے۔

غور فرمایئے کسی معاشرے میں موجود جس معاشی نظام کو داخلی اور اندرونی طور پر معاشرے کے بااثر اور طاقتور افراد کی پرزور حمایت و تائید حاصل ہو وہ اس کو ہر طریقہ سے بحال و برقرار رکھنا چاہتے ہوں اس معاشی نظام کو بدلنے اور ختم کرنے کا مسئلہ کتنا مشکل اور دشوار مسئلہ ہوسکتا ہے اور پھر جب کہ اس نظام کو بیرونی اور خارجی طور پر زبردست حمایت و تائید حاصل ہو یعنی جن غیر مسلم ملکوں اور معاشروں سے اس مسلم معاشرے سیاسی اور معاشی روابط و تعلقات ہوں اور وہ سیاسی طور پر اُن کے تابع و زیر اثر اور معاشی طور پر اُن کا محتاج اور دست نگر بلکہ مقروض ہو وہ بھی یہی چاہتے ہوں کہ جس طرح اُن کے ہاں سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہے اسی طرح اس مسلم ملک و معاشرے میں بھی سرمایہ دارانہ معاشی نظام قائم و برقرار رہے اور اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ ہونے پائے جس سے اُن کے مفادات کو گزند اور نقصان پہنچتا ہو تو ایسی صورت میں اس معاشی نظام کو تبدیل کرنا بہت ہی ہے اس میں رائج اور موجود سرمایہ دارانہ وجاگیر دارانہ معاشی نظام کو بحال و برقرار رکھنے کی حمایت و تائید اندرونی و داخلی طور پر موجود ہے اور بیرونی و خارجی طور پر بھی موجودہ پاکستان کے جن مغربی ممالک سے معاشی اور سیاسی تعلقات ہیں اُن کی پوری خواہش اور کوشش ہے کہ پاکستان میں جو معاشی نظام فی الوقت موجود ہے وہ برابر قائم و برقرار رہے لہذا اس کو بدلنے اور ختم کرنے کا مسئلہ اگرچہ محال و ناممکن نہیں لیکن بے حد مشکل ضرور ہے کوئی حقیقت پسند انسان اس کا انکار نہیں کرسکتا۔

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کسی ملک و معاشرے میں رائج جمے جمائے مستحکم نظام کو تبدیل اور ختم کرنے کے اصولی طور پر دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں ایک تدریجی اصلاح کا طریقہ اور دوسرا فوری انقلاب کا طریقہ۔ تدریجی اصلاح کے طریقہ کا مطلب ہے کہ کسی فاسد نظام کو پرامن طور پر رفتہ رفتہ بدلنے اور درجہ بدرجہ درست کرنے کی علمی و عملی سعی و کوشش کرنا، بالفاظ دیگر مطلب یہ کہ تصادم و ٹکراؤ سے بچتے ہوئے تدریجاً ایسی تبدیلیاں عمل میں لانا جن سے فاسد نظام کا فساد دور ہو کر مطلوبہ صلاح وجود میں آئے۔ تدریجی اصلاح کے اس طریقہ میں ضروری ہوتا ہے کہ کوئی تبدیلی عمل میں لانے سے پہلے اس کے لیے موافق اور سازگار ذہنی اور خارجی ماحول تیار کیا جائے، موافق اور سازگار ذہنی ماحول تیار کرنے کا مطلب یہ کہ کوئی تبدیلی عمل میں لانے سے پہلے واضح دلائل کے ساتھ یہ بتلایا اور سمجھایا جائے کہ یہ تبدیلی کیوں ضروری ہے اور اس کے کیا فوائد و ثمرات ہوں گے بالفاظ دیگر ذرائع نشر و اشاعت سے دلائل کے ساتھ یہ بتلایا اور واضح کیا جائے کہ جس چیز کو بدلنا مقصود ہے اُس میں کیا برائیاں اور خرابیاں ہیں اور اس کی جگہ جس متبادل چیز کو لایا جا رہا ہے اس میں کیا اچھائیاں اور خوبیاں ہیں اور یہ کہ اس سے کیا فائدے حاصل ہوں گے دینی و روحانی لحاظ سے اور دنیوی اور مادی لحاظ سے، تاکہ خاص طور پر اُن لوگوں کے ذہن اس تبدیلی کو قبول کرنے کے لیے تیار اور ہموار ہو جائیں جن کو اُس تبدیلی سے فوری طور

پر نقصان پہنچتا ہو اور اُن کی طرف سے مخالف ردِعمل کا اندیشہ نہ رہے، اور ساز گار خارجی ماحول تیار کرنے کا مطلب یہ کہ اس تبدیلی کی راہ میں رکاوٹ بننے والے مادی موانع کو دور کرنا، اور چونکہ ذہنی اور خارجی ماحول کو ہونے والی تبدیلی کے موافق وسازگار بنانے کا کام طویل وقت کے ساتھ خاصی دماغی جسمانی محنت بھی چاہتا ہے لہٰذا تدریجی اصلاح کے طریقہ میں کافی دیر لگتی اور خاصی محنت کرنی پڑتی ہے، بہرحال اس طریقہ سے جو اصلاح وجود میں آتی ہے وہ مستقل اور پائیدار ہوتی نیز یہ طریقہ تصادم اور خون خرابے سے محفوظ ہوتا ہے۔

اور فوری انقلاب کے طریقہ سے مراد ہے طاقت وقوت کے ذریعے تشدد وسختی کے ساتھ، رائج نظام کے ظاہری ڈھانچے کو الٹ پلٹ اور تہہ بالا کر دینا اور اس کی جگہ اپنی مرضی کا نظام ڈھانچہ بزور نافذ کر دینا، فوری انقلاب کے اس طریقہ میں اگرچہ وقت کم لگتا اور جلد مقصد حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس میں تصادم اور خون خرابہ ضرور ہوتا اور کافی جانی ومالی نقصان بھی ضرور اٹھانا پڑتا ہے۔ نیز اس طریقہ سے جو تبدیلی اور اصلاح وجود میں آتی ہے عموماً عارضی وناپائیدار ہوتی ہے، جب تک اس کی پشت پر طاقت وقوت رہتی وہ قائم رہتی ہے اور جب وہ ڈھیلی اور کمزور پڑتی ہے تو شدید ردّعمل ظاہر ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا اور ناکامی ومایوسی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے مطلب یہ کہ حاصل شدہ کامیابی، ناکامی سے بدل جاتی ہے، اسی طرح اس طریقہ میں بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب انقلابی جماعت ضروری طاقت حاصل کرنے سے پہلے میدان میں کود پڑتی ہے تو مقابلہ میں شکست کھاتی اور ذلیل وخوار ہو کر ختم ہو جاتی ہے اور حصول مقصد کی منزل تک پہنچ ہی نہیں پاتی، تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

اس ضمن میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اسلام چونکہ امن وسلامتی کا دین ہے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے لیے سراپا رحمت ہیں لہٰذا اس کے نزدیک معاشرہ انسانی سے ظلم و فساد کو دور کر کے اس کی جگہ عدل وقسط کو قائم کرنے کا صحیح طریقہ "تدریجی اصلاح کا طریقہ" ہے جو اپنے مزاج کے لحاظ سے امن وسلامتی کا طریقہ ہے اور جس کے ذریعے حاصل شدہ صلاح ودرستی، مستقل وپائیدار ہوا کرتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتہائی بگڑے ہوئے عرب معاشرہ کی جس طریقہ سے اصلاح فرمائی وہ یہی تدریجی اصلاح کا طریقہ تھا، حدیث اور سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اصلاحی اقدام سے پہلے اس کے لیے سازگار ذہنی وخارجی فضا تیار فرمائی اور اصلاح کا یہ عظیم کام بتدریج تقریباً تئیس سال کے طویل عرصہ میں مکمل ہوا۔ گویا آپ نے اس مقدس کام میں ہمیشہ اس چیز کو ملحوظ ومدنظر رکھا کہ وقت زیادہ لگتا ہے تو لگے، رفتار دھیمی و سست رہتی ہے تو رہے لیکن جو اصلاح عمل میں آئے پائیداری کے ساتھ قائم رہے اور جو قدم آگے

بڑھا ہے کسی طرح پیچھے نہ ہٹے، نیز اس میں اپنی طرف سے ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ کسی سے تصادم اور جنگ کی نوبت نہ آئے جو تبدیلی بھی ہو پُرامن طور پر ہو، واضح رہے کہ بعض مواقع پر کفار و مشرکین سے جو تصادم ہوا و رقتال کی نوبت آئی وہ دفاعی اور جوابی کارروائی کے طور پر تھا اور جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کو راہ سے ہٹانا اور جنگ و قتال کی روش سے ان کو باز رکھا جائے چنانچہ جو لوگ ہتھیار ڈال کر شکست تسلیم کر لیتے اور مزاحمت ختم کر دیتے اُن کو چھوڑ دیا جاتا پھر اگر ذمیوں کی حیثیت سے مسلمانوں کے اندر رہتے تو ان کی جان و مال اور آبرو کا تحفظ کیا جاتا ہے جبر و اکراہ کے ذریعے اُن کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاتا۔ یہ ضمنی بات قدرے طویل ہو گئی، اصل بات یہ عرض کر رہا تھا کہ اسلام کے نزدیک اصلاح معاشرہ کا صحیح طریقہ تدریجی اصلاح کا طریقہ ہے فوری اور خونی انقلاب کا طریقہ نہیں، بہرکیف اِس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ پاکستان جیسے ملک و معاشرے میں معاشی نظام کو بدلنے کا مسئلہ بے حد مشکل مسئلہ ہے۔

مسئلہ مذکور کے مشکل ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے نافذ ہونے اور عمل میں آنے کے لیے جس طرح کا ذہنی اور خارجی ماحول موجود ہونا ضروری اور شرط مقدم ہے بدقسمتی سے موجودہ نام نہاد مسلم معاشروں میں موجود نہیں پاکستان میں تو بالیقین موجود نہیں، اِس اجمال کی کچھ تفصیل یہ کہ اسلام کے جو معاشی اصول و احکامات ہیں ان کا اسلام کے ایمانی عقائد اور عبادات سے نہایت گہرا تعلق ہے وہ اس طرح کہ اُن اصول و احکامات پر عمل کرنے کے لیے افرادِ معاشرہ کے ذہنوں میں عدل و احسان کے جن وسیع و ہمہ گیر اخلاقی احساسات کا موجود ہونا ضروری ہے وہ ایمانی عقائد کے ذریعے وجود میں آتے اور اسلامی عبادات کے ذریعے زندہ و بیدار رہتے ہیں، یہاں یہ واضح رہے کہ یوں تو ہر انسان کے اندر پیدائشی طور پر عدل و احسان کا جذبہ و احساس موجود ہوتا ہے لیکن یہ مطلق اور مجرد ہوتا ہے بعد میں اُس کے دائرہ کے اندر جو تنگی و کشادگی ہوتی ہے وہ اُس شعور کے مطابق ہوتی ہے جو تعلیم و تربیت وغیرہ سے انسانی ذہن میں اُبھرتا ہے شعور پست و محدود ہوتا ہے تو جذبۂ عدل و احسان بھی پست و محدود ہوتا اور شعور بلند اور وسیع ہوتا تو جذبۂ عدل و احسان بھی بلند اور وسیع ہوتا ہے چنانچہ بعض افراد کا جذبہ عدل و احسان صرف اپنے خاندان و کنبے کے افراد کی حد تک محدود ہوتا ہے لہٰذا اُن کے ساتھ تو اس کا برتاؤ عدل و احسان کا ہوتا ہے لیکن ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ساتھ اُس کا سلوک عدل و احسان کا نہیں ہوتا، اسی طرح بعض افراد کے شعور اور جذبۂ عدل و احسان کا دائرہ اپنے قبیلے اور اپنی قوم و ملت کے افراد تک وسیع ہوتا لہٰذا وہ عملی طور پر اُن لوگوں سے تو عدل و احسان کا برتاؤ کرتا ہے جو اس کے قبیلے اور اس کی قوم و ملت سے تعلق رکھتے ہوتے ہیں لیکن اُن کے سوا باقی لوگوں سے اُس کا برتاؤ عدل و احسان کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ اس کے خلاف ہوتا ہے، بہرحال یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا ہم ہر سطح پر برابر مشاہدہ کرتے

اور اُس کے اُن نتائج وعواقب کو بھی دیکھتے اور جانتے ہیں جو عدل واحسان کے محدود جذبے اور برتاؤ کی وجہ سے انسانوں کے مابین باہمی عداوت ونفرت اور نزاع وتصادم کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔

اسلام چونکہ پوری انسانیت کا دین ہے وہ ایک ایسے عالمگیر انسانی معاشرے کا قیام چاہتا ہے جو عدل وقسط پر قائم ہو اور جس کا ہر فرد بلا کسی تخصیص وامتیاز دوسرے ہر فرد کے ساتھ عدل وقسط کا برتاؤ کرتا یعنی جس میں ہر انسان بلا تخصیص رنگ ونسل، بلا امتیاز قوم ووطن، بلا تفریق قبیلہ وخاندان اور بلا استثناء دین ومذہب ہر دوسرے انسان کا ہر حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ادا کرتا ہو بلکہ بعض حالات میں اپنے حق کا دوسروں کے لیے ایثار بھی کرتا ہو لہٰذا ضروری تھا کہ ایسے معاشرے کے افراد کے اندر عدل واحسان کا جو اخلاقی جذبہ ہو اس کا دائرہ پوری انسانیت تک وسیع اور عالمگیر ہو۔ اور پھر چونکہ عدل واحسان کا ایسا وسیع اور ہمہ گیر جذبہ صرف اُس ایک اللہ تعالیٰ کے اعتقاد ویقین اور اُس پر ایمان سے ہی انسان کے اندر پیدا ہو سکتا تھا جس کے صفات میں سے ایک صفت ربّ العالمین ربّ الناس ہے یعنی اقوام عالم اور تمام انسانوں کو پالنے پوسنے، نشوونما دینے اور درجہ کمال تک پہنچانے والا سب کی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والا، اور دوسری صفت رحمان ورحیم ہے جس کا مطلب ہے عالمگیر اور دائمی رحمت والا اور جس کی رحمت ومہربانی ہر شئے پر چھائی ہوئی ہے اور کوئی چیز اس سے محروم نہیں، یعنی اپنی رحمت سے سب کو نوازنے والا، لہٰذا اسلام نے انسان کو سب سے پہلے جو تعلیم دی وہ اللہ ربّ العٰلمین، رحمان ورحیم اور مالک یوم الدین پر ایمان لانے اور اعتقاد ویقین رکھنے کی تعلیم ہے قرآن مجید کی پہلی سورت جس کا نام سورۃ الفاتحہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے مذکورہ صفات کا ذکر ہے اور پھر سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے کو نماز کی ہر رکعت میں لازم وواجب قرار دے کر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ بندہ مومن کے ذہن اور دل ودماغ میں اللہ تعالیٰ کے مذکورہ صفات کی یاد ہمیشہ زندہ وبیدار رہے کیونکہ اللہ کی ان صفات کا اعتقاد وشعور بندۂ مومن کے جذبۂ عدل واحسان کو عالمگیر وسعت دیتا اور اس کو اس پر آمادہ کرتا ہے کہ تمام خلق خدا کے ساتھ حسنِ سلوک کرے اور سب انسانوں کے ساتھ عدل واحسان سے پیش آئے، اور پھر چونکہ اللہ کی عبادت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے بندہ مومن کے دل ودماغ میں اللہ تعالیٰ کے صفات اور ان صفات سے حاصل شدہ اخلاقی احساسات وجذبات زندہ، بیدار اور تازہ رہتے ہیں لہٰذا اسلام قبول کرنے والوں کو ایمانی عقائد کے بعد جو دوسری تعلیم دی گئی وہ صلوٰۃ وزکوٰۃ کی عبادت کی تعلیم تھی بعد میں صوم اور حج وغیرہ کی بھی تعلیم دی گئی، اس کے بعد تدریج کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں یعنی معاشرتی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں سے متعلق ایجابی وامتناعی احکام اور امر ونواہی کی شکل میں دیئے گئے اور جن قرآنی آیات میں دیئے گئے ان کے شروع میں یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ سے خطاب کیا گیا، جس کا مطلب یہ کہ یہ عملی احکام اُن لوگوں سے متعلق ہیں جو مشرف بہ ایمان ہو چکے ہیں اُن سے متعلق نہیں

ئن کے دل نورِ ایمان سے خالی اور محروم ہیں کیونکہ ایسے لوگ اسلام کے عملی احکامات پر دلچسپی کے ساتھ عمل کر ہی نہیں سکتے اور اگر کریں تو اُن پر وہ اثرات و فوائد مرتب نہیں ہوتے جو ایک بندہ مومن کے عمل پر مرتب ہوتے ہیں جو خالصتہً اللہ کی رضا کی خاطر اور اس کی اطاعت کے جذبے سے کرتا ہے

غرضیکہ عدل واحسان پر مبنی اسلام کی جو معاشی تعلیمات ہیں وہ صرف ایک ایسے معاشرے میں صحیح طور پر بروئے کار آسکتی اور پائیداری کے ساتھ قائم رہ سکتی ہیں جس کی بڑی اکثریت کے ذہن میں ایمانی عقائد یعنی اللہ کی ذات وصفات کا عقیدہ، آخرت کی زندگی اور جزاء وسزا کا عقیدہ، اللہ کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں کا عقیدہ یعنی وحی ورسالت کا عقیدہ بالخصوص قرآن مجید کے کتاب اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کا عقیدہ موجود اور راسخ ہو لفظی طور پر نہیں بلکہ معنوی اور حقیقی طور پر موجود ہو اور عملی زندگی سے اس کی شہادت فراہم ہوتی ہو نیز اس معاشرے کی عظیم اکثریت فرض عبادات کی پابند وخوگر ہو کیونکہ دراصل ایسے ہی لوگوں کے اندر عدل واحسان کے وہ وسیع اور ہمہ گیر جذبات واحساسات ہو سکتے ہیں جن کی تحریک سے انسان عدل واحسان والی اسلامی معاشی تعلیمات پر بلاکسی تخصیص وامتیاز عمل کر سکتا ہے ۔

اس پہلو سے جب ہم حقیقت پسندی کے ساتھ اپنے موجودہ نام نہاد اسلامی معاشروں وملکوں کا بے لاگ جائزہ لیتے ہیں بشمول پاکستان کے تو بے حد مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے زبانی اور لفظی طور پر تو ایمان ہمارے ہاں بہت زیادہ موجود ہے لیکن قلبی، حقیقی اور معنوی طور پر ایمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں، چنانچہ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلام کا پرچار کرنے اور اس کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے عملی طور پر تضاد کا شکار ہیں دوسروں کا تو ذکر ہی کیا وہ تو ٹھہرے ہی اسلام اور قرآن وحدیث سے جاہل اور دنیا دار ۔

اسلامی معاشی نظام کے صحیح اور کامل طور پر عمل میں آنے کے لیے مذکورہ ذہنی ماحول کے ساتھ جس خارجی ماحول کا معاشرے میں موجود ہونا ضروری ہے اس میں اہم اور بنیادی چیز معاشرے کا بنیادی معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل ہونا ہے کیونکہ جو معاشرہ بنیادی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل اور اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو وہ مجبور ہوتا ہے کہ بنیادی معاشی ضروریات مثلاً غلہ کپڑا وغیرہ دوسروں سے اُن کی مرضی اور اُن کے معاشی اصولوں کے مطابق حاصل کرے اور زندگی گذارے، جہاں تک آسائشات اور تعیشات کی چیزوں کا تعلق ہے اُن میں خود کفیل ہونا ضروری نہیں کیونکہ زندگی اُن کے بغیر بھی گزر سکتی ہے ۔ بہر کیف ایک مسلم معاشرے کے لیے یہ لازمی وضروری ہے کہ وہ بنیادی معاشی ضروریات سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی پیداوار اس حد تک بڑھائے کہ وہ اُس کی ضرورت کے لیے کافی ہوں اور اس کے لیے دوسری قوموں کے تجربات اور نئے سے نئے ذرائع پیداوار سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اسلام اس پر کوئی پابندی نہیں لگاتا بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے ۔

اُوپر دوسری شکل کے متعلق جو عرض کیا گیا اُس سے بجا طور پر یہ مطلب نکلتا ہے کہ جس نام نہاد اسلامی معاشرے میں مذکورہ ذہنی اور خارجی ماحول اور فضا موجود نہ ہو ایسے معاشرے میں اسلامی معاشی نظام کے فوری نفاذ کی کوششیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں نہ کوئی حکومت اس کے فوری نفاذ میں کامیاب ہو سکتی ہے اور نہ کوئی اسلامی سیاسی جماعت، جو بھی اس قسم کی بات کرتا ہے اُس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ بے سوچے سمجھے یا دوسروں کو دھوکا دینے کے لیے اور اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی خاطر ایسی بات کرتا ہے۔

یہاں ایک یہ بات عرض کر دینا بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ جو لوگ یہ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ پاکستان میں سے فی الوقت جو سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام موجود ہے اگر اس میں ایک چیز کی کمی کر دی اور دوسری چیز کا اضافہ کر دیا جائے تو پھر یہی نظام اسلامی نظام بن جائے گا، ایک چیز کی کمی سے اُن کی مراد بینکوں کا سود، اور دوسری چیز کے اضافہ سے اُن کی مراد زکوٰۃ و عشر کا اضافہ ہے گویا موجودہ نظام میں بینکوں کا سود ختم ہو جائے اور لوگ خود سے یا حکومت کے توسط سے زکوٰۃ و عشر ادا کرنے لگیں تو موجودہ معاشی نظام، اسلامی معاشی نظام بن گیا اَب مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، گویا اِن حضرات کے نزدیک مزارعت دبٹائی پر مبنی موجودہ زمینداری زرعی نظام بھی عین اسلامی ہے، سَرپلس دَیلیو اور قدرِ زائد کے وجود پر مبنی موجودہ کارخانہ داری صنعتی نظام بھی قطعاً اسلامی ہے، مکانات وغیرہ کی کرایہ داری کا کاروبار بھی بغیر کسی تحدید و تقیید کے اسلام کے مطابق اور عین اسلامی ہے، درآمدی برآمدی تجارت کا رائج نظام بھی جس میں غیر حاضر اور غیر موجود اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی اور بینکوں اور انشورنس کمپنیوں کے توسط سے چلتا ہے بالکل اسلامی ہے، اسٹاک ایکس چینج میں کمپنیوں کے کاغذی شیئرز و حصص کی جو خرید و فروخت ہوتی اور سٹہ بازی کے ذریعے قیمتوں کو جو بڑھایا گھٹایا جاتا ہے ان حضرات کے نزدیک یہ بھی صحیح اسلامی ہے۔ جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا مروجہ کاروبار بھی بالکل اسلامی ہے، حکومت کی طرف سے جاری کردہ مختلف سرٹیفکیٹ اور بانڈز جن میں ادا کی گئی رقم پر مدت کے لحاظ سے متعین اضافہ مقرر ہوتا ہے کا لینا دینا بھی اسلام کے عین مطابق ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسلام کے معاشی نظام کے متعلق جن اہلِ علم حضرات کا مذکورہ خیال ہے اُن کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کو اسلام کے دوسرے پہلوؤں سے متعلق یقیناً بہت کچھ پڑھنے اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملا ہوگا لیکن معاشی پہلو سے متعلق قرآن و حدیث کی روشنی میں اُن کو بہت ہی کم کچھ پڑھنے اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملا ہے ورنہ وہ کبھی اسلام کے معاشی نظام کے متعلق ایسی بات نہ کہتے جو اُوپر نقل کی گئی، ان حضرات نے قرآن و حدیث میں یہ تو ضرور پڑھا کہ رِبٰو النسیۃ یعنی قرضوں والا سود جس کا موجودہ بینکوں میں لین دین ہوتا ہے قطعاً حرام و ممنوع ہے لیکن اس پر غور نہیں فرمایا کہ اس کے حرام و ممنوع کی اصل اور حقیقی وجہ کیا ہے اس میں وہ کونسی برائی ہے

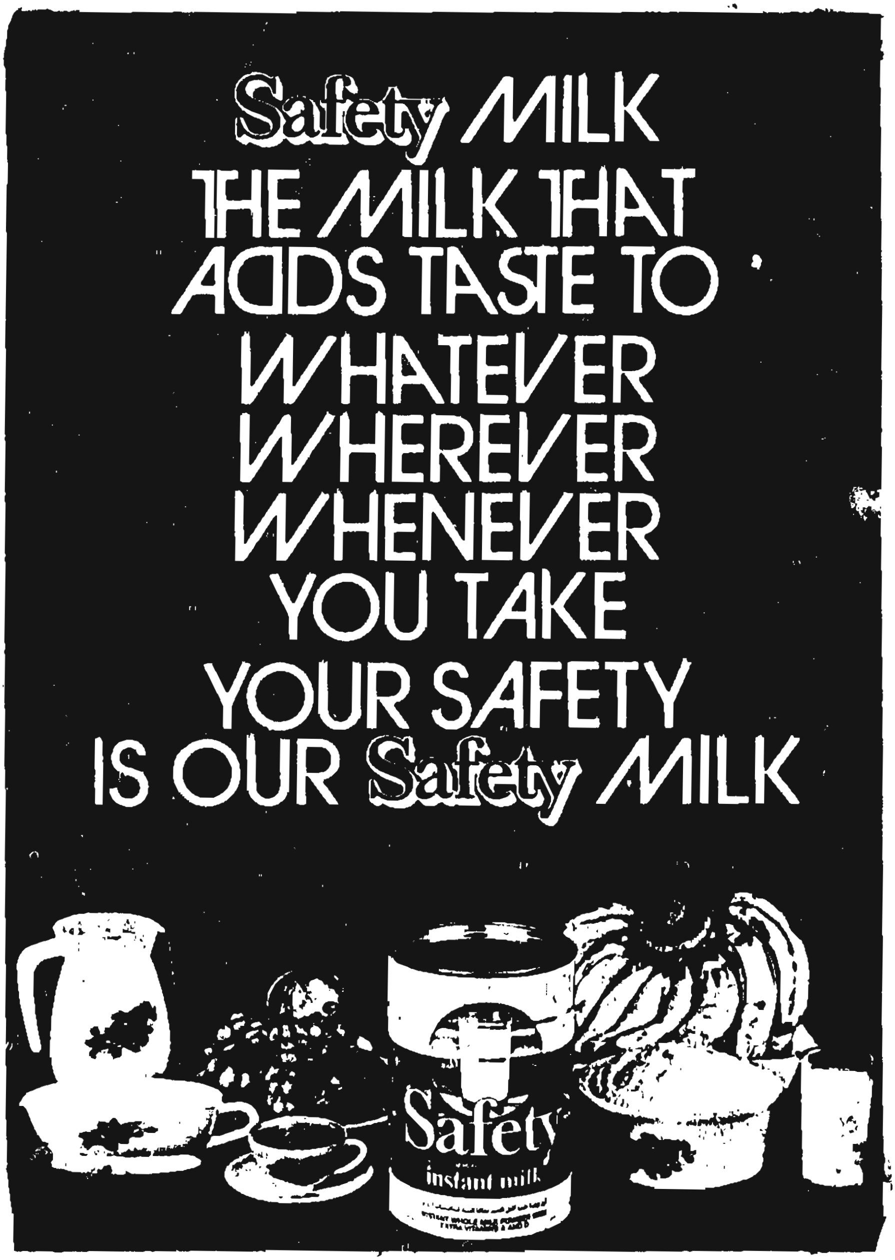
Safety MILK
THE MILK THAT
ADDS TASTE TO
WHATEVER
WHEREVER
WHENEVER
YOU TAKE
YOUR SAFETY
IS OUR Safety MILK
Safety
instant milk

خودانحصاری کی طرف ایک اور قدم

نیلم گلاس

ngi

رنگین شیشہ (Tinted Glass)

باہر سے منگانے کی ضرورت نہیں۔

چینی ماہرین کی نگرانی میں اب ہم نے رنگین عمارتی شیشہ (Tinted Glass)
بنانا شروع کردیا ہے۔

دیدہ زیب اور دھوپ سے بچانے والا **نیلم** کا (Tinted Glass)

نیلم گلاس انڈسٹریز لمیٹڈ

ورکس، شاہراہِ پاکستان حسن ابدال۔ فون: 563998 - 509 (05772)

فیکٹری آفس، ۲۸۴-بی راجہ اکرم روڈ، راولپنڈی فون: 568998 - 564998

رجسٹرڈ آفس، ۱۷-جی گلبرگ II، لاہور فون: 878640-871417